© rasailojaraid.com

کے باوجود ہمارے اکثر بزرگوں نے اس بارے میں جو موقف اختیار کیا، وہ کتنا افسوس ناک ہے. شریعت میں ایک آسانی موجود ہے - بڑے بڑے مجتہد اور عالم اس آسانی کے حق میں ہیں. قرآن مجید کے ایک مشہور اور مانے ہوئے مفسر کا بیان موجود ہے. عقلی طور پر ذبح کی حکمت بتائی جاتی ہے. لیکن پھر بھی ہمارے بزرگ اس طور پر مخالفت کرتے ہیں، جیسے ذبیحہ کے اس حکم کے بارے میں ڈاکٹر فضل الرحمن کیلئے ایک رائے رکھتے ہیں، نہ امام شافعی کا یہ خیال ہے - نہ قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی نے یہ فتویٰ دیا - اور نہ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے شیخ محمد عبدہ اور شیخ رشید رضا اس بارے میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

ہم اپنے ان بزرگوں کی خدمت میں عرض کریں گے کہ ذہن کے دریچوں کو اس طرح بند کر لینا کہ کوئی نیا خیال خواہ پہلے بزرگ اسے مانتے رہے ہوں، ذہن میں داخل نہ ہوسکے، اسے ذہنی جمود کہتے ہیں۔ اور اسی کی ہمیں اپنے ان بزرگوں سے شکایت ہے۔ یہ ذہنی جمود آج سب سے بڑا خطرہ ہے۔ اور "فکر و نظر" اپنی بساط کے مطابق اسی برف کی سِل کو پگھلانے کی جدوجہد کر رہا ہے۔

ایک انگریز نے جو چالیس سال تک استنبول میں رہا تھا، ۱۹۰۸ء میں جب سلطان عبدالحمید خان کو معزول کر کے دستوری نظام حکومت قائم کیا گیا، ترکی کے شیخ الاسلام سے پوچھا تھا کہ کیا اسلام اس دستوری نظامِ حکومت کا ساتھ دے سکے گا؟ شیخ الاسلام نے اس انگریز کو جو جواب دیا، وہ یہ تھا:-

عزیز من! تم اسلام کی تاریخ میں جتنا بھی پیچھے جاؤ گے، اس میں ذہن و فکر کی زیادہ وسعت پاؤ گے۔

ہمارے شہر بڑی سرعت سے صنعتی مرکز بنتے جا رہے ہیں۔ اس سے لازماً شہری معاشرے میں کافی اتھل پتھل ہوگی، جس کی وجہ سے ہمارے ہاں بڑے گنجلک اور نئے مسائل پیدا ہوں گے. جنہیں اگر بروقت حل کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو شہری زندگی میں اجتماعی خلفشار اور اخلاقی بے راہ روی پھیلنے کا بڑا اندیشہ ہے۔ اور ملکوں میں جہاں اس طرح صنعتی زندگی آئی ہے، مذہبی اداروں اور مذہبی گروہوں نے معاشرے کو کسی نہ کسی حد تک راہ راست پر چلانے اور اسے انتشار سے بچانے کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں اب تک اس ضرورت کا احساس نہیں ہوا نہ سوشل کام کرنے والوں کی توجہ اِدھر ہے اور نہ مساجد کے ائمہ، خطیبوں، دینی مکاتب و مدارس کے اساتذہ اور عام علماء کرام نے یہ سمجھا ہے کہ ان کے کرنے کا ایک کام یہ بھی ہے اور یہ کہ اجتماعی زندگی کی تنظیم و اصلاح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ایک دینی خدمت ہے۔

ایک زمانے میں اسلامی معاشرے کی اس ضرورت کو مسجدیں اور ان کے ساتھ ساتھ خانقاہیں، جہاں اہل اللہ سلسلہ بہ سلسلہ چلے آتے تھے۔ پورا کرتی تھیں۔ اس قسم کی خانقاہیں جو قریب قریب ختم ہوگئی ہیں، ان کی جگہ اب شہروں میں پیری مریدی کے نئے نئے حلقے بن رہے ہیں، جن میں لوگ بڑی کثرت سے شریک ہوتے ہیں۔ ان حلقوں کا بننا اور تعلیم یافتہ طبقوں میں مقبول ہونا یہ بتاتا ہے کہ معاشرے میں ایک عام روحانی خلا ہے، اور جہاں بھی لوگوں کو روحانی تسکین کی کچھ روشنی نظر آتی ہے۔ وہ اُدھر کا رخ کرتے ہیں۔ پیری مریدی کے یہ حلقے موجودہ یا جو آگے چل کر بننے والا معاشرہ ہے، اس میں وہ اخلاقی تنظیمی کردار ادا کرسکیں گے، جو ایک زمانے میں خانقاہی نظام نے بڑی خوبی سے ادا کیا تھا۔ یہ دیکھنے کی بات ہے۔

جہاں تک اس سلسلے میں مساجد اور علماء کرام کا تعلق ہے، ہمارے خیال میں شہری زندگی کو ایک مناسب ڈھرے پر رکھنے اور صنعتوں کی ترویج سے اس میں جو طرح طرح کے مسائل پیدا ہوں گے، ان سے صحیح طرح نمٹنے میں وہ بہت مدد و معاون ہوسکتے ہیں۔ اسلامی معاشرے میں شروع ہی سے مسجد کا ایک مرکزی مقام ہے۔ اور علماء ہمیشہ سے نمازوں کے امام، جمعوں کے خطیب، مدرسوں کے استاد اور ایک لحاظ سے مشیر و مرشد بھی رہے ہیں۔ اب صرف مشکل یہ آن پڑی ہے کہ ہمارے ہاں عام طور پر دینی سرگرمیوں کی نوعیت نظری سی ہو کر رہ گئی ہے۔ عبادات کا تصور بھی زیادہ تر شخصی ہوگیا ہے، یعنی اپنی جنت "پکّی" ہوجائے، دوسرے خواہ جہنم میں جائیں۔ اگر ہمارے دینی تصوّر میں اجتماعیت آجائے، اور معاشرے کو بہتر بنانا بھی دین کا ایک "حصّہ" سمجھ لیا جائے، تو ہماری مسجدیں آج کے معاشرے کے مفاسد کو دُور کرنے کے لئے بہت مفید ثابت ہوسکتی ہیں، اور علماء کرام بھی بڑا اہم اخلاقی کردار ادا کرسکتے ہیں، مذہبی فرقہ داریت کی آویزشوں کا بھی یہی علاج ہے اور اسلام وجہ تفرقہ کے بجائے "بنیان مرصوص" کا باعث اسی طرح بن سکتا ہے۔

پاکستان اب بھی دیہات کا ملک ہے، اور ہماری دیہاتی زندگی میں مولوی حضرات کی ایک خاص حیثیت ہے۔ وہ امامت کراتے اور جمعہ کا خطبہ تو دیتے ہی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ تھوڑی بہت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طلب بھی جانتے ہوتے ہیں۔ اور عام طور سے ان کا شمار گاؤں کے پڑھے لکھوں میں ہوتا ہے۔

ہمارے دیہات صدیوں کی نیند سے جاگ کر اب نئی کروٹ لے رہے ہیں۔ وہ دن لد گئے جب ہر گاؤں اپنی جگہ خود کفیل ہوتا تھا، اور اسے باہر سے کسی کی احتیاج نہیں ہوتی تھی۔ گاؤں اور شہر اب ایک ہی معاشی رشتے میں مربوط ہیں۔ اور جیسے جیسے صنعتیں بڑھیں گی، یہ رشتہ اور مستحکم اور وسیع ہوگا۔ پھر یہ کہ دیہات کو نہ صرف اپنے لئے غذا پیدا کرنا ہے، بلکہ مزید غذا کے ساتھ ساتھ خام اجناس کی پیداوار بھی بڑھانا ہے، کیونکہ اسی صورت میں ہمارے ہاں موجودہ صنعتیں چل سکتی اور مزید لگ سکتی ہیں۔ آج دیہی زندگی کو زیادہ متحرک، زیادہ فعال اور زیادہ پیدا کرنے والا بنائے بغیر پاکستان کے استحکام و ترقی کا تصور کرنا تو ایک طرف رہا، اسے آنے والے فاقے، بے کاری، پستی اور زبوں حالی سے بھی بچایا نہیں جا سکتا، دیہی زندگی میں یہ چیزیں کیسے پیدا ہوں، اس میں دیہات کے مولوی حضرات ایک اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

حال میں گورنروں کی کانفرنس میں اس بارے میں بعض بڑے اچھے فیصلے کئے گئے ہیں۔ گاؤں کے مولوی حضرات بنیادی جمہوریتوں کی سرگرمیوں میں حصّہ لیں گے اور زرعی پیداوار بڑھانے کے سلسلے میں ان کا تعاون حاصل کیا جائے گا۔ غرض دیہات کی تعمیری زندگی میں وہ برابر کے شریک ہوں گے اور دینی خدمات کے ساتھ ساتھ وہ اس قسم کی اجتماعی خدمات بھی سر انجام دیں گے۔

یہ تو ابتدا ہے۔ اگر دیہی زندگی کی تعمیری و ترقیاتی سرگرمیوں میں مذہبی طبقوں نے صحیح معنوں میں دلچسپی لینی شروع کر دی، تو ہر مسجد نماز کی جگہ کے ساتھ ساتھ مکتب، دارالمطالعہ اور ایک اجتماعی مرکز کی حیثیت اختیار کر سکے گی۔ اور اس طرح مسجد وہ مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگی، جو تاریخ اسلام کے دورِ زرّین میں اسے حاصل تھا۔ دین اور دنیا کا اجتماع اسلام کا مقصود تھا۔ اور اس کا حصول اس طرح ہو سکتا ہے۔

ہم یہاں یورپ کے ایک ملک ڈنمارک کی مثال دیتے ہیں۔ وہ بہت چھوٹا سا ملک ہے۔ اور اس کی آبادی بھی زیادہ نہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ دوسرے ملکوں کو مکھن پنیر اور اس قسم کی غذائی اشیاء برآمد کرتا ہے۔ اور وہاں کے لوگ بڑے خوش حال ہیں۔ یہی ملک انیسویں صدی کے وسط تک زرعی اور دوسرے اعتبار سے پس ماندہ تھا۔ ایک پادری نے زراعت کو ترقی دینے کا سوچا۔ اس نے ایسے اسکول بنائے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں کاشت کاروں کو زراعت کے نئے طریقے سکھائے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ امداد باہمی کی تحریک چلائی گئی اور کاشت کاروں کو اس کی طرف متوجہ کیا گیا، نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کی زرعی پیداوار بڑھی۔ کسان آسودہ حال ہو گئے اور ملک کو بھی فائدہ ہوا۔

یقیناً ہمارے مولوی حضرات یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکتے ہیں۔

پاکستان ان غیر مسلم اور بعض مسلمان ملکوں کی تقلید نہیں کرنا چاہتا، جہاں مذہبی طبقوں کو ترقی میں سدّ راہ سمجھا گیا، اور انہیں قومی زندگی سے خارج کرنے اور ان کے اثرات کو مٹانے کی کوششیں ہوئیں۔ یہاں علماء دین اور دیہات میں مولوی حضرات کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ دینی مدارس بھی بے شمار ہیں۔ عوام حتی الوسع ان کی مالی مدد کرتے ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ علماء کی اتنی بڑی تعداد، مساجد کی اس قدر کثرت اور دینی مدارس کی اتنی بہتات کے باوجود ان سے وہ مفید نتائج نہیں نکل رہے۔ جو نکلنے چاہئیں۔ اور ان سے ملک و قوم کی تعمیر و ترقی اور دین کی خدمت کے وہ کام نہیں ہو رہے، جو ہونے چاہئیں۔ حکومت کو اس پر غور کرنا ہوگا۔ اور اس سلسلے میں گورنروں کی کانفرنس میں جو پہلا قدم اٹھایا گیا ہے، ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اگر دیہات کے مولوی حضرات کا دیہات کی تعمیری و ترقیاتی سرگرمیوں میں تعاون مل گیا، تو یہ ملک کے لئے ایک خوش آئند اقدام ہوگا۔ اور اس سے غذائی پیداوار کو بڑھانے اور دیہات کی اجتماعی زندگی کو سدھارنے میں بڑی مدد ملے گی۔

لیکن جب تک ان دینی مدارس اور دار العلوموں کے نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم میں، جہاں سے فارغ التحصیل ہو کر مولوی حضرات اور علماء نکلتے ہیں، ضروری تبدیلیاں نہیں کی جاتیں، اور ان کے نصاب تعلیم میں آج کی ضرورتوں کو پورا کرنے والے علوم داخل نہیں کئے جاتے، ان درس گاہوں، ان میں پڑھانے والوں اور عام علماء کرام سے قومی زندگی میں وہ کام نہیں لئے جا سکتے، جن کی آج سخت ضرورت ہے۔

حکومت کو بدیر یا بزود یہ مہم سر کرنی ہے، اور جتنی جلد وہ اسے سر کرنے کا بیڑا اٹھائے گی، ملک و قوم کی ترقی زیادہ قریب آئے گی۔

© rasailojaraid.com